عرفانِ سیرت

مفتی امام الدین سعیدی

ناشر: اولیاء کونسل پبلکیشن/ امام علی لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر

عرفانِ سیرت

مفتی امام الدین سعیدی

ناشر
اولیاء کونسل پبلیکیشن / امام علی لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر

سلسلۂ مطبوعات نمبر (۰۲)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب: عرفانِ سیرت
تصنیف: مفتی امام الدین سعیدی
نظر ثانی: مولانا انجم راہی ازہری
تزئین: محمد آفتاب عالم قادری
اشاعت: ۱۴۴۶ھ/۲۰۲۴ء
تعداد: ۵۰۰
ضخامت: ۴۸/صفحات
قیمت: ۵۰/روپئے
ناشر: اولیاء کونسل پبلیکیشن / امام علی لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر

IRFAN E SEERAT
By: **Mufti Imamuddin Saeedi**
Published by: Auliya Council Publication, 85 Mt Hope Rd, Mahopac, NY 10541, United States
Email: auliyacouncil@gmail.com

فہرست

نعتِ پاک ۵
شکر و اعتذار ۶
تقدیم ۷
تقریظ ۹
عرفان سیرت ۱۵
فکر آخرت سیرت کی روشنی میں ۱۷
محسن انسانیت کا پیغام رحمت ۲۲
مواخات مدینہ کی عصری معنویت ۲۶
رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم و مربی ۳۵
سیرت رسول سے دوری: وجوہات اور اثرات ..... **ضمیمہ** ۴۳

مرشدِ زماں

داعی اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ

کے نام

جن کی صحبت کیمیا اثر نے جوہر علم و عرفان عطا کیا اور اس لائق بنایا

نعتِ پاک

وَصَلَّی اللّٰه عَلٰی نورٍ کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حبِّ او ساکن فلک در عشقِ او شیدا

اگر نامِ محمد ﷺ را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدمؑ یافتے توبہ نہ نوح از غرق نَجّینا

محمد احمد و محمود وے را خالقش بستود
ازو شد بود ہر موجود از و شد دیدہ ہا بینا

دو چشمِ نرگسینش را کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ خوانند
دو زلفِ عنبرینش را چو والَّیلِ اِذَا یَغشیٰ

منوّر عالم از رُویش معطّر خلد از بُویش
معنبر خالِ ہندویش دو زلفِ او شبِ یلدا

ز سِرِّ سینہ اش جامیؔ اَلَم نَشْرَحْ لَکَ برخواں
ز معراجش خبر داند کہ سُبْحَانَ الَّذی اَسریٰ

(ملا عبد الرحمٰن جامی)

۞۞۞

شکر واعتذار

اس کتاب کی ترتیب و تصحیح، کتابت وطباعت میں جن احباب کا تعاون رہا ان سب کا بیحد شکر گذار ہوں خصوصی طور پر برادر گرامی علامہ ڈاکٹر ذیشان احمد مصباحی، ڈاکٹر جہاں گیر حسن مصباحی اور ڈاکٹر سید محمود مہدی کاظمی امریکہ جن کی افادات واصلاحات نے کتاب کی تصویب وتزئین میں رنگ وروغن کا کام کیا۔ عزیزی مولانا انجم راہی اور آفتاب عالم قادری کو بے پناہ محبتیں۔

جزاہم اللہ احسن الجزاء

معزز قارئین !اگر اس کتاب میں کہیں کوئی خامی وکجی نظر آئے تو آگاہ فرماکر شکریہ کا موقع فراہم کریں۔

تقدیم

ڈاکٹر مہدی کاظمی

ایگزیکٹو، ڈائریکٹر اولیاء کونسل آف نارتھ امریکہ، ماہوپیک، نیویارک

یہ میرے لیے ایک عظیم اعزاز اور سعادت کی بات ہے کہ مجھے محب گرامی مفتی امام الدین سعیدی مصباحی صاحب کی کتاب کے لئے کچھ کلمات لکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ مفتی امام الدین صاحب، عارفانہ تفسیر کے ماہر اور علمی دنیا میں علوم قران اور تصوف کے حوالے سے ایک معروف شخصیت ہیں۔ ہندوستان کی مشہور دانش گاہ جامعہ عارفیہ میں مسلسل دس بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، روحانی مرکز خانقاہ عارفیہ میں تربیت نفس و تہذیب اخلاق کے لیے مقیم رہے اس وقت اولیا کونسل نیویارک کی سرگرمیوں اور تحریکات و خدمات میں کلیدی رول ادا کر رہے ہیں اور آپ کا بھرپور علمی و فکری تعاون اس کی نشریات اور خدمات میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ، ایک وسیع موضوع ہے جس پر کثرت سے کتابیں اور مضامین دستیاب ہیں۔ کتاب اللہ کے بعد، سنت و سیرت ہی مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی احکام و مسائل کا منبع و سرچشمہ ہے۔ اس مختصر سی کتاب میں مفتی صاحب نے سیرت کے ان اہم پہلوؤں کا انتخاب کیا ہے جنہیں مسلمان عملی زندگی میں نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی تہذیب و مذہبی تشخص کا زوال ہوا اور ضعف ایمان و عمل کا سبب بنا۔ زبان و بیان کے اعتبار سے صاف و عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے اسلوب تحریر بے حد خوبصورت ہے۔ کتاب میں بطور خاص پیغمبر اسلام ﷺ کے اس عالمگیر پیغام محبت و اخوت کو اجاگر کیا گیا ہے جس میں رنگ، نسل، ذات پات، جنس وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ وہ نہایت خوبی سے متعدّد مثالوں

کے ذریعے بتاتے ہیں کہ کس طرح آپ ﷺ نے اس مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ یہ مثالیں پوری انسانیت کے لئے قابل عمل اور قابل تقلید ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ معاشرے کے رہنما کے طور پر استاد و مربی کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں، جو نہ صرف علم منتقل کرتا ہے بلکہ ایک عملی نمونہ بھی ہوتا ہے۔ کتاب میں سیرت نبوی ﷺ کی ایک اہم تاریخی واقعہ مواخات مدینہ کو بھی شامل کیا ہے اسلامی تہذیب کی بنیاد، مختلف گروہوں (مہاجرین اور انصار) کے درمیان سماجی و اقتصادی مساوات، انصاف، سیاسی ڈھانچہ کے دیگر پہلوؤں کو وہ نہایت وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ معاشی و اقتصادی رہنمائی کے اصول، جو قرآن اور سیرت کے مطابق ہے ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ صرف رہنما اصولوں کے ذکر تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے عملی نفاذ کے نتائج اور عصری حالات پر انطباق و انسلاک کے زاوئے پر ایک مفید اور واضح فکر پیش کی گئی ہے۔ میرے لئے سب سے زیادہ متاثر کن مفتی صاحب کی وہ وضاحت ہے جس میں وہ سیرت النبی ﷺ میں قرآن کے مواد اور تصورات کو نافذ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں۔ یوم آخرت اور خدا کے خوف کے تصور سے کتاب کا آغاز ہے، جو ہمارے پیغمبر ﷺ کے اسوہ کی روشنی میں انتہائی مدلل و موثر طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حاصل یہ کہ اس مختصر کتاب میں مصنف نے سیرت رسول ﷺ سے ماخوذ متعدّد اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے کئی پہلوؤں کو نہایت سادگی اور خوبصورتی سے بیان کیا ہے، جس سے نہ صرف علماء بلکہ عام لوگ بھی مستفید ہو سکیں گے۔ اس بات کے لیے مفتی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ اس کتاب کی نشر و اشاعت کا حق اولیا کونسل کو دیا اور ہمارے اس دعوتی و روحانی سینٹر کی مطبوعات میں ایک خوبصورت تحفہ کا اضافہ ہوا دعا ہے کہ اس کاوش کو خلق خدا کے لیے نافع بنائے آمین۔

❁❁❁

تقریظ

ڈاکٹر جہاں گیر حسن مصباحی
ایڈیٹر ماہ نامہ خضر راہ

''اولیا کونسل'' نارتھ امریکا کی ایک دینی و اصلاحی تحریک ہے۔ صوفیائے کرام کی تعلیمات کو عام و تام کرنا اِس تنظیم کا خاص مشن ہے۔ یہ روحانی ادارہ ''صوفی ٹائمز'' کے نام سے باضابطہ اپنی ایک سہ ماہی میگزین بھی شائع کرتا ہے، جس نے بہت ہی کم عرصے میں اپنی خاص اور منفرد شناخت قائم کرلیا ہے۔ حضرت علامہ مفتی امام الدین سعیدی مصباحی اِس کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ موصوف معتدل فکر کے حامل نوجوان عالم دین ہیں، خوش فکر شاعر ہیں، مقبول و معروف واعظ و مبلغ ہیں اور قابل صد رشک مدرس ہیں۔ نیز علم کلام و فلسفہ، علم فقہ و حدیث اور علم تصوف پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ موصوف کے درجنوں علمی و فکری اور مذہبی و اخلاقی مقالات و مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوچکے ہیں، جنھیں قارئین بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور دادِ تحسین سے بھی نوازتے ہیں۔ چوں کہ موصوف دینی و ملی صلاح و فلاح کا وافر جذبہ رکھتے ہیں اور مسلسل کسی نہ کسی نہج پر تعلیمی و تبلیغی اور اِصلاحی سرگرمیوں کے درپے رہتے ہیں، چناں چہ ''عرفان سیرت'' اِسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جسے حضرت علامہ موصوف نے ترتیب دیا ہے۔ جب کہ اِس کی اشاعت کا فریضہ ''اولیا کونسل'' نے انجام دیا ہے۔

زیر نظر کتاب ''عرفان سیرت'' بظاہر مختصر ہے لیکن اپنے اندر بحر ناپیدا کنار کی وسعت رکھتی ہے۔ اِس میں شامل ہر مضمون اپنی آفاقی فکر اور اِصلاحی اسلوب کے باعث لازوال تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالخصوص اِس مادّہ پرستی اور خود غرضی کے عہد میں جب کہ تمام تر علمی

وسائنسی اور معاشی و اقتصادی ترقیاں موجود ہیں، پھر بھی اِبن آدم کو ایک پل کے لیے سکون میسر نہیں۔ بلکہ پوری انسانی برادری اخلاقی انحطاط کے نرغے میں مقید ہے ایسے ماحول میں اِس کتاب کی اہمیت وافادیت بطورِ خاص دوچند ہوجاتی ہے۔ اِس لحاظ سے فاضل مرتب کا یہ کارنامہ بلاشبہ قابل تعریف ہے۔

آج ہم جس ملک، معاشرہ اور ماحول میں جی رہے ہیں، اگر اِس تعلق سے غور کریں تو واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا میں ہم دو حیثیتوں سے اپنی زندگی بسر کررہے ہیں: ایک اقلیتی حیثیت سے، اور دوسری اکثریتی حیثیت سے۔ ہندوستان، نیپال، چین، جاپان، برطانیہ اور امریکہ جیسے ملکوں میں ہم اقلیتی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور عرب، پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر مسلم ممالک میں اکثریتی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں ہم اقلیت میں ہیں وہاں ہر طرح کی آزادی حاصل ہونے کے باوجود بہت سے معاملات میں ہمیں محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ یہی مصلحت اور وقت کا تقاضا ہے، جب کہ ان ملکوں میں جہاں ہم اکثریت میں ہیں، انصاف، غیر جانب داری اور محبت و اخوت کو فروغ دینا انتہائی ضروری ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ جہاں ہم اقلیت میں ہیں وہاں اکثریتی انداز میں جینا چاہتے ہیں، یا پھر اکثریت کے دباؤ کی وجہ سے تشدد پسند ہوگئے ہیں، یا اپنی ناسمجھی، بے صبری اور پریشاں حالی کی بنا پر سخت اضطراب میں ہیں۔ اس کے باوجود ہم اس پہلو پر غور وفکر کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اقلیت میں ہونے پر زندگی گزارنے کے تعلق سے پیغمبر اسلام ﷺ نے کیا رہنمائی فرمائی ہے؟ اس کے برخلاف جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں اپنی آمرانہ قوت کے گھمنڈ میں چور ہونے کی وجہ سے سخت مشکل میں ہیں، اور اس مشکل کے عالم میں بھی ہم یہ معلوم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اکثریت میں ہونے پر پیغمبر اسلام ﷺ نے کس انداز اور طرز سے زندگی بسر فرمائی ہے؟ مزید یہ کہ جہاں اقلیت میں ہونے پر ہم اپنی جہالت اور سست روی کی وجہ سے احساس کمتری کے شکار ہیں، تو وہیں اکثریت میں ہونے پر ہم اپنی غیر انسانی حرکت، جانبدارانہ برتاؤ اور متعصبانہ رویے کی وجہ سے اپنے اصل چہرے کو مسخ کررہے ہیں۔

لہٰذا ہم چاہے اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، عالمی سطح پر اپنی پہچان کھوتے جارہے ہیں۔ اس پر طرفہ تماشا یہ کہ ہم اپنی پہچان کیسے برقرار رکھیں اور اپنی کھوئی ہوئی عزت کو کیسے حاصل کریں، اس کا راستہ بھی ہمیں دیکھائی نہیں دیتا، اور نہ ہی اس پہلو پر سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی فرصت ہے۔ حالاں کہ اس سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت ہماری کامل رہنمائی کرتی ہے، یعنی جہاں ہم اقلیت میں ہیں وہاں مکی سیرت ہمارے لیے بہترین رہنما کی حیثیت رکھتی ہے اور جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں مدنی سیرت ہمارے لیے عمدہ رہبر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ حقیقت بھی ہم بخوبی جانتے ہیں کہ جس وقت پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اُس وقت آپ اقلیت میں تھے اور اپنے مذہبی وجود کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کررہے تھے، آپ یہ جانتے تھے کہ آپ کو جو دین اسلام دیا گیا ہے وہ اپنی صداقت اور برحق ہونے کے اعتبار سے تمام مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے، پھر بھی آپ نے نہایت خاموشی سے اسلام کی تبلیغ کی اور اس میں سب سے پہلے ان افراد تک اسلام کو پہنچایا جو آپ کے سب سے زیادہ قریبی تھے۔ پھر جیسے جیسے موقع ملتا گیا دین اسلام کو عام کرتے گئے، مگر آپ نے کبھی بھی قبول اسلام کے لیے جبر وتشدد، یا زور زبردستی کی راہ اختیار نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو ہمیشہ سامنے رکھا کہ دین اسلام میں کوئی جبر نہیں۔ (البقرہ:۲۵۶) بلکہ جب بھی کسی سے دین اسلام کی کوئی بات کہی، تو بڑی نرمی، پیار اور محبت بھرے انداز میں کہی اور اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو برابر سامنے رکھا کہ لوگوں کو حسن تدبیر اور حسن کلام سے اپنے رب کی طرف بلاؤ اور اُن سے بحث بھی کرو تو بہتر انداز سے۔ (النحل:۱۲۵)

آپ کی سیرت کا یہ حسن کمال رہا ہے کہ آپ اپنے بدخواہوں اور حاسدوں کے ساتھ بھی، عظیم حسن اخلاق کا مظاہرہ فرماتے۔ یہاں تک کہ جو آپ کو ہمیشہ ستاتا اور پریشان کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتا تھا، ایسے شخص کے ساتھ بھی بڑی محبت وشفقت اور حسن اخلاق سے پیش آتے۔ گویا جب تک آپ اقلیت میں تھے اپنا کام بڑی خاموشی اور صبر وتحمل سے انجام دیا، اور دھیرے دھیرے، موقع ومحل کے مطابق افراد سازی کی مہم کو آگے بڑھاتے رہے، حالاں کہ

پیغمبر اسلام ﷺ اگر چاہتے تو کفار و مشرکین کے خلاف محاذ کھول سکتے تھے، کیوں کہ آپ جس قبیلہ اور جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ مکہ میں نہایت ہی اعلیٰ واشرف قبیلہ اور بہادر خاندان تھا، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا صرف اس لیے کہ ایسا کرنا تبلیغی اعتبار سے بہتر نہ تھا۔ اس طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے اقلیت کی حالت میں جینے لیے ایسے انمول نقوش چھوڑے ہیں جنھیں اپنا کر ہم آج بھی ایک مثالی زندگی گزار سکتے ہیں جو پوری انسانی برادری کے لیے مفید تر ہیں اور کسی بھی طرح کے تشدد بھرے ماحول میں بھی امن وامان قائم رکھنے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔

پھر جب پیغمبر اسلام ﷺ نے اقلیتی حیثیت سے زندگی بسر کرلی تو ایک دن وہ بھی آیا کہ آپ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا گیا، چناں چہ آپ اور آپ کے اصحاب، مدینہ ہجرت کر گئے، جہاں سے آپ نے اکثریتی ماحول میں اپنی زندگی کا آغاز فرمایا۔ مہاجرین وانصار جو ایک دوسرے کے لیے بالکل نئے اور اجنبی تھے، ان کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا۔ یہ بظاہر مہاجرین وانصار کے درمیان ایک اخوت کا رشتہ تھا مگر حقیقت میں پوری انسانی برادری کے لیے یہ پیغام تھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ مہاجرین وانصار کے اس اخوت بھرے رشتے نے دوسرے انسانوں کو بھی دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا، لیکن آج ہم نے اس سبق کو بھی یکسر فراموش کر دیا ہے۔

اس کے بعد میثاق مدینہ کا واقعہ پیش آیا جس میں تین جماعتوں کے درمیان آپسی عہد وپیمان کیا گیا کہ مسلمان، کفار و مشرکین اور یہود سیاسی و سماجی اعتبار سے ایک دوسرے کے معاون و مددگار اور محافظ ہوں گے۔ اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ مدینے میں تھے اور مکہ کے برعکس اکثریت میں بھی تھے، اگر آپ چاہتے تو جبر و تشدد اور زور زبردستی سے اقلیتی طبقات پر اپنا دین مسلط کر سکتے تھے، جیسا کہ آج کچھ جماعتیں طاقت کے بل پر اپنی بات منوانے میں لگی ہوئی ہیں۔ مگر آپ نے یہ طریقہ پسند نہ فرمایا اور اکثریت میں ہونے کے باوجود اقلیتی طبقہ سے معاہدہ کیا اور نہ صرف اہل مدینہ اور اس کے باشندوں کے لیے پُرسکون ماحول اور ترقی کی راہیں ہموار کیں بلکہ

کفار و مشرکین کو بھی سیاسی و معاشرتی تحفظ فراہم کیا اور اپنے بہترین نظام حکمرانی سے پوری انسانی برادری کے لیے قابل رشک نمونہ پیش فرمایا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر باوجود یکہ پیغمبر اسلام ﷺ اکثریت میں تھے، پھر بھی صلح کی راہ اختیار فرمائی، اور وہ بھی یک طرفہ شرائط پر، حالاں کہ اس طرح یک طرفہ شرائط کی بنیاد پر صلح کرنا بعض صحابہ کرام کو ناگوار بھی تھا، اس کے باوجود پیغمبر اسلام ﷺ نے کفار و مشرکین کی یکطرفہ شرطوں کو مانا تو محض اس لیے کہ کچھ برسوں تک ہی سہی امن وامان تو قائم ہوگا۔ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ کا ہر فرد پیغمبر اسلام ﷺ کے قبضے میں تھا، اس وقت ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ مکہ میں فاتحانہ اور حاکمانہ شان سے داخل ہوتے لیکن اس کے برخلاف آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تو انتہائی عجز وانکساری کے ساتھ داخل ہوئے۔ انکساری کا یہ حال تھا کہ فاتح ہونے کے باوجود آپ کا سر جھکا ہوا تھا اور آپ کی پیشانی جس قصوا نامی اونٹنی پر سوار تھے اُس کے اگلے حصے سے ٹچ کر رہی تھی۔ پھر یہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے اختیار میں تھا کہ اقلیت ہونے کی حیثیت سے جو ناروا سلوک اور ظلم کا رویہ، مشرکین مکہ نے آپ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ اپنا رکھا تھا اس کا بدلہ گن گن کر لیا جائے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ آپ اپنے اور اپنے اصحاب کے جانی دشمنوں سے انتقام لینے کے بجائے ان کے لیے عام معافی کا اعلان کیا اور انسانیت کی بقا و تحفظ کو یقینی بناتے ہوئے یہ فرمایا کہ آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں، اللہ تمھیں معاف کرے کہ وہی معاف فرمانے والا ہے، جاؤ! آج کے دن تم سب آزاد ہو۔ (زرقانی علی المواہب) اور ایک دن وہ تاریخی موقع بھی آیا جب پیغمبر اسلام ﷺ نے ہر طرح کی غیر انسانی حرکتوں پر پابندی عائد فرمادی، اور ایک ایسا نظام قائم کیا کہ جس نے اقلیت واکثریت کے درمیان احساس برتری کے نشان ہی کو مٹا ڈالا کہ اب نہ کوئی عربی رہا نہ کوئی عجمی، اور نہ کوئی سفید رہا نہ کوئی سیاہ، بلکہ سب کے سب انسانیت کے اٹوٹ دھاگے میں بندھ گئے۔

ہمارے خیال میں مواخات مدینہ، میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مواقع پر پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانیت کی بقا و تحفظ میں جو بنیادی کردار ادا کیا، دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے نہ صرف عاجز و بے بس ہے، بلکہ اس کا احسان، انسانیت کبھی نہیں چکا سکتی۔ غرض کہ ہم

چاہے اقلیت میں رہیں یا اکثریت میں۔ بہر صورت پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت سے ہم انسانوں کو بطور خاص سبق لینے کی ضرورت ہے، یعنی اقلیت میں رہیں تو موقع و محل کے اعتبار سے پہلے خود کو ثابت کریں، مصیبتوں میں صبر و ضبط سے کام لیں، افراد سازی کریں، اور اگر اکثریت میں رہیں تو ہر امیر-غریب، محتاج- غیر محتاج اور طاقتور-کمزور سب کے ساتھ عدل وانصاف اور ایمان داری و دیانت داری کا مظاہرہ کریں۔

بہر حال زیر نظر کتاب ''عرفان سیرت'' آسان لب و لہجے میں سیرت نبوی کے عنوان پر ایک یادگار اور شاہکار تالیف ہے، جس میں اِنتہائی عمدہ اور مفید گفتگو کی گئی ہے، اِس کے باعث یہ کتاب عوام و خواص ہر دو طبقات کے لیے یقیناً لائق مطالعہ ہے اور اَخلاقی اقدار بالخصوص ''اُسوۂ نبوی'' سے آشنا ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر یہ کہنے میں ہمیں کچھ باک نہیں کہ اِس کا ترجمہ دیگر ملکی و عالمی زبان میں ضرور ہونا چاہیے تاکہ آفاقی سطح پر اِس کی افادیت عام ہو سکے۔ القصہ! اِس قیمتی اور گرانمایہ تالیف کے لیے حضرت علامہ اور ''اولیا کونسل'' کو ہم قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں کہ یہ تالیف بھی دیگر کتب سیر کی طرح مقبول اَنام ثابت ہو۔ (اللّٰھم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

❁❁❁

عرفان سیرت

بہ مصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگربہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

سیرت رسول ﷺ کا تصور بہت وسیع اور جامع ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے یہی وہ اسوہ حسنہ ہے جو رسول مکرم ﷺ کی حیات طیبہ، اقوال، افعال، اور اخلاقی تعلیمات کو مکمل طور پر سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ایک مسلمان کی زندگی کس طور وطریقے پر ہونی چاہیے، اور کب کس وقت کن اصول و اقدار کی پاسداری ضروری ہے اس کی مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ اگر سیرت رسول ﷺ کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کرکے دیکھا جائے تو آسانی مطالعۂ سیرت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے

۱. **مکی زندگی اور دعوتِ توحید:** رسول اللہ ﷺ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ بچپن سے لیکر چالیس سال کی عمر تک آپ ﷺ کی شخصیت صداقت، دیانت، اور امانت کی مظہر تھی۔ چالیس سال کی عمر ہوئی تو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا، اور آپ ﷺ نے انسانیت کو خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دی۔ اس درمیان صبر وتحمل کا اعلی اخلاقی جوہر بھی دیکھنے کو ملا۔

۲. **اخلاقی تعلیمات:** رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اہم پہلوؤں میں اخلاقی تعلیمات شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ صداقت، رحم، انصاف، اور صبر کی تلقین کی۔ آپ ﷺ کی

سیرت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، برداشت، اور محبت سے پیش آنا چاہیے۔

۳. **عبادات و طاعات:** آپ ﷺ کی سیرت میں عبادات اور روحانیت کو بھی خاص مقام حاصل ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج کے اصولوں پر عمل کرنا اور اللہ سے قربت حاصل کرنا آپ ﷺ کی زندگی کے اہم حصے تھے۔

۴. انسانی حقوق اور کمال شفقت: رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل و عیال، عام لوگ، اور صحابہ کرام کے ساتھ جس محبت اور شفقت کا مظاہرہ کیا، وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ نے خواتین، بچوں، اور غلاموں کے حقوق کے تحفظ کے لئے بھی خصوصی تعلیمات دیں۔

۵. **عدل و مساوات:** رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی انصاف، مساوات، اور اقتصادی عدل کو فروغ دیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق، معاشرے میں کوئی بھی شخص رنگ، نسل، یا مال و دولت کی بنیاد پر افضل نہیں بلکہ تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیرت رسول ﷺ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ایک مسلمان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اس کے ذریعے ہم اسلامی تعلیمات کو نہ صرف سمجھ سکتے ہیں بلکہ ان پر عمل کر کے اپنی زندگی کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر سکتے ہیں ، مطالعۂ سیرت اس منہج پر ہو کہ اس سے زندگی کا رخ بدل جائے اور پوری زندگی پر اس کے ہمہ گیر اثرات نظر آئے جس سے رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت پیدا ہو اور خالص اطاعت و اتباع کا جذبۂ و جنوں بیدار ہو اس رسالہ میں سیرت کے چند گوشوں کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی عصری معنویت و اہمیت اجاگر کی گئی ہے علاوہ ازیں جو رہنمائی و ہدایت کے اصول مستفاد ہو سکتے تھے ان کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی۔

❁❁❁

فکر آخرت سیرت کی روشنی میں

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ہر لمحہ خوف الٰہی اور فکر آخرت سے لبریز ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں نمایاں طور پر دنیا سے بے رغبتی، خوف آخرت اور امت کی نجات کی فکر موجود ہے۔

مکی عہد میں آپ کی تحریک و دعوت کا بنیادی محور توحید و آخرت تھا کیونکہ یہ ایمان کی بنیاد ہے اور اس کے بغیر ایمان کا باقی مرحلہ طے نہیں کیا جاسکتا۔

جب آخرت کا تصور یقین کی حد تک راسخ ہو جاتا ہے تب اعمال صالحہ کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اللہ کی ناراضگی اور گناہوں سے بچنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے، اگر یہی یقین ختم ہو جائے تو انسان بے خوف اور اپنی خواہشات کے تابع ہو کر زندگی گزارتا ہے۔ پھر اللہ کی ناراضگی اور گناہ و معصیت اس کے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ۔ (نحل:۲۲)

ترجمہ: جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے قلوب منکر ہیں (یعنی ان کے قلوب اللہ کی عظمت اور آخرت کی عظیم نعمتوں کا انکار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ گھٹیا زندگی کی جلد مٹ جانے والی لذتوں کے فریب میں مبتلا ہیں) اور وہ اپنی بڑائی میں مگن ہیں۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ ثواب حاصل کرنے میں ہمیشہ رغبت دکھاتے ہیں اور ہمیشہ کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔

لیکن جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ نہ حصول ثواب میں کوئی دلچسپی لیتے ہیں اور نہ انھیں عذاب الٰہی کا کچھ خوف ہوتا ہے۔ (تفسیر رازی، ج:۱، ص:۲۷۰۸)

بلا شبہ کائنات میں آپ کی ذات سے بڑھ کر کوئی اللہ سے زیادہ قریب نہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ آپ سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا بھی کوئی نہیں۔ اس شان باوجود اللہ رب العزت نے اکثر مقامات پر آپ کو آخرت کی طرف توجہ دلائی ہے:

۱۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ۔ (طٰہٰ:۱۳۱)

ترجمہ: آپ ان لوگوں کی طرف اپنی نگاہ نہ کریں جن کو ہم نے دنیاوی زندگی کی کچھ نعمتیں دی ہیں، تاکہ ہم ان کو آزمائیں۔ آپ کے رب کا رزق سب سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

۲۔ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا. ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ۔ (نجم:۲۹تا۳۰)

ترجمہ: ایسے شخص سے اعراض کیجئے جو ہمارے ذکر سے روگرداں ہے اور دنیاوی زندگی کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہیں، ان کے علم کی رسائی بس یہیں تک ہے ،آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔

۳۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا۔ (کہف:۲۸)

ترجمہ: (اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں، کیا تو (ان فقیروں سے دھیان ہٹا کر) دنیوی زندگی کی آرائش چاہتا ہے، اور تو اس شخص کی اطاعت (بھی) نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اس کے اثرات واضح طور سے ملتے ہیں۔ آپ کی سیرت خوف آخرت کی کامل تصویر پیش کرتی ہے۔ چنانچہ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لاَعَیْشَ اِلَّاعَیْشُ الآخِرَۃُ۔ (بخاری، کتاب الرقاق)

ترجمہ: یااللہ! آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ "حدیث ایلا" میں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر آرام فرما تھے۔ چٹائی پر کوئی بچھونا نہیں تھا اور چٹائی کا نشان آپ کے پہلو میں ظاہر ہو رہا تھا۔ آپ چمڑے کے ایک تکیہ پر جس میں بھس بھرا ہوا تھا ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا پھر کمرے کا جائزہ لیا، اللہ کی قسم! اس میں چمڑے کے تین ٹکڑوں کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو نگاہ کو متوجہ کرتی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالی آپ کی امت کو کشادگی عطا فرمائے۔ ایرانیوں اور رومیوں کو تو دنیا کی خوب نعمتیں حاصل ہیں حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابن خطاب! تم بھی ایسا سوچتے ہو؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی نعمتوں کا سارا حساب دنیا ہی میں چکا لیا ہے۔

(بخاری، کتاب النکاح)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پکے ہوئے بال کو دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

شَیَّبَتْنِی ھُوْدُ، وَالوَاقِعَۃُ، وَالمُرْسَلاَتُ، وَعَمَّ یَتَسَاءلُونَ، وَإِذَاالشَّمْسُ کُوِّرَتْ۔

(ترمذی، سورۃ الواقعۃ)

ترجمہ: مجھے سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذالشمس کورت نے بوڑھا بنا دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔ (سنن ترمذی، باب معیشۃ النبی)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل کے لیے کوئی چیز جمع نہیں فرمائی۔

ایک دوسری روایت ہے:

مَالِي وَلِلدُّنْيَا، مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔ (ایضًا)

ترجمہ: مجھے دنیا سے کیا مطلب؟ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح ہے جو کسی درخت کے سایے میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا أَوْصَى بِشَيْءٍ۔ (مسلم، باب ترک الوصیۃ)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت فرمائی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام آپ کی خدمت آئے اور عرض کی:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ لَكَ أَتُحِبُّ أَنْ أَجْعَلَ هٰذِهِ الْجِبَالَ ذَهَبًا وَتَكُونُ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ؟ فَأَطْرَقَ سَاعَةً ثُمَّ

قَالَ: يَا جِبْرِيلُ إِنَّ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ وَقَدْ يَجْمَعُهَا مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ فَقَالَ لَهُ جِبْرِيلُ ثَبَّتَكَ اللّٰهُ يَا مُحَمَّدُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔

ترجمہ: اللہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں اس پہاڑ کو آپ کے لیے سونے کا بنادوں اور جہاں آپ چاہیں یہ پہاڑ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے لیے سر نیچے کیا پھر فرمایا:

اے جبرئیل! بے شک یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اس کو وہ جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا: یا محمد! اللہ تعالی آپ کو حق بات پہ ثابت رکھے۔ (شفا، ص:۱۴۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰہِ لو تَعْلَمُون ما أَعلَمُ، لضَحِكتُم قَلِيلا و لَبَكَيتُم كَثيراً۔

(سنن ابن ماجہ، باب الحزن والبکاء)

ترجمہ: واللہ! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو یقیناً کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور دعوت و تذکیر میں آخرت کی فکر مکمل طور سے غالب تھی

اور خوف الٰہی، دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ اس کا اثر جسم اقدس پر بھی بخوبی نمایاں ہوتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ اللہ کی یاد سے نہ کبھی غافل ہوتے اور نہ اس کے بدلے دنیا کی کسی نفع بخش چیز کے لیے تیار ہوتے تھے۔

یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا تھا کہ ان کی زندگی سیرت طیبہ میں ڈھلی ہوئی تھی۔ ان کے دل و دماغ میں بھی فکر آخرت، خشیت الٰہی اور دنیا سے بے رغبتی کے گہرے اثرات تھے جس کا اندازہ ان کے اعمال و کردار اور معمولات و معاملات سے کیا جاسکتا ہے۔

لیکن آج ہم دنیا سے بے رغبتی اور خشیت و فکر آخرت رکھنے کے بجائے اس سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہماری ایمانی کمزوری ہے جس کی وجہ سے ترک دنیا اور آخرت کی خشیت و فکر کے سلسلے میں ہمارا عقیدہ راسخ نہیں ہو پاتا، ورنہ قرآن مقدس اور سیرت نبوی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ جو بھی ان کے دائرے میں رہ کر اپنی زندگی گزارے گا اور دنیا کی فضولیات سے پرہیز کرے گا اس کے اندر دنیا سے بے رغبتی، صبر و قناعت اور فکر آخرت پیدا ہوگی، وہ حسن نیت، حسن عمل اور حسن اعتقاد سے متّصف ہوگا اور پھر ان ہی کاموں میں دلچسپی لے گا جو اس کے لیے آخرت میں نفع بخش ہوں۔ اللہ ہم سب کو یوم آخرت کے یقین سے نوازے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین ثم آمین)

❁❁❁

محسن انسانیت کا پیغام رحمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتیں ایسی برسیں کہ اپنے زمانے کے وحشی لوگ بھی انسانوں کے لیے رول ماڈل بن گئے

لفظ ''اسلام'' کا مادہ ''سلم'' ہے جس کا معنی ہے بے چون وچرا اپنے مالک کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دینا، اور امن و سلامتی میں داخل ہونا۔ بلاشبہ اسلام دوسروں کو تحفظ دینے اور امن وآشتی قائم کرنے کا نام ہے، اور اسی اصول پر مسلمانوں کی زندگی بھی ہونی چاہیے۔ دوسروں کے حق میں خیر کی دعا کرنا اور اُسے تحفظ دینا اسلام میں بہت ہی اہم اور کارآمد بات مانی جاتی ہے۔

ایک بار کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! اسلام میں سب سے زیادہ مفید عمل کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: دوسروں کو کھانا کھلانا اور انھیں سلام کرنا جنھیں تم جانتے ہو یا نہیں جانتے ہو۔ (ابوداود، کتاب الآداب، حدیث: ۵۱۹۴)

موجودہ دور میں یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ اسلام کے مقدس چہرے پر کچھ نام نہاد مسلمانوں کی غلط روش کی وجہ سے ظلم و تشدد، نفرت وبیزاری جیسے بدنما داغ لگائے جارہے ہیں ،حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جس قدر اسلام نے ظلم وتشدد کو بُرا کہا ہے اور جس طرح پیغمبر اسلام کے کردار نے ظلم ونفرت کے ماحول کو امن و محبت کا گہوارہ بنایا ہے، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی۔ اصل اسلام وہ ہے جو رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وتعلیم سے عبارت ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوری مخلوق سے حد درجہ محبت فرمانے والے تھے۔

آپ نے کسی کے لیے نفرت کو جائز قرار نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی

نظیر دیکھنی ہو تو اس واقعے کو پڑھیے کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا دل دکھانے سے منع فرمایا اور اس کے لیے ایک کافر ازلی کو بھی بُرا بھلا کہنا پسند نہیں کیا۔ ابوجہل جس نے آپ کی مخالفت میں اپنی بدبختی کی انتہا کر دی تھی، جب تک وہ زندہ رہا آپ اور آپ کے اصحاب کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اسی حالت میں مر بھی گیا۔ اس کے باوجود جب ایک مجلس میں صحابہ کرام نے ابوجہل کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اسی مجلس میں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ بھی موجود تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کے باپ دادا پر طعن کر کے کسی کو تکلیف مت پہنچاؤ۔

(مستدرک از حاکم، حدیث:۵۰۵۵، شاملہ)

ایک موقعہ سے آپ نے فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو بُرا بھلا کہنا عظیم گناہ ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی بُرا بھلا کہتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے ماں باپ کو بُرا بھلا کہے اور وہ شخص بھی جواب میں اس کے ماں باپ کو بُرا بھلا کہے تو گویا اس نے خود اپنے ماں باپ کو بُرا بھلا کہا۔ (مسلم، کتاب الایمان) کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جہاں پیغمبر اسلام رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے لیے بھی اتنی عزت و احترام کی بات کی ہے، وہیں آج کے مسلمان دوسروں کی مذمت اور بدسلوکی کو اسلام بتاتے ہیں، جب کہ دین اسلام میں نفرت و بدسلوکی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

قرآن مقدس میں نیک لوگوں کی صفات میں یہ کلمات مذکور ہیں:

وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (سورۂ آل عمران)

ترجمہ: غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔

قرآن کریم نے بڑی تاکید کے ساتھ عفو و درگزر کا بیان کیا ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ جب دوسروں سے کوئی ناگوار بات پہنچے تو اُس کے جواب میں عفو و درگزر کا طریقہ اختیا کیا جائے، بلکہ ایسا ہو جائے کہ وہ خود کو یہ سمجھے کہ میرے پاس زبان اور ہاتھ ہی نہیں جس سے میں جواب دوں، دل ہی نہیں جس میں اس کے لیے نفرت کو جگہ دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآنی اخلاق کے نمونے بے شمار نظر آتے ہیں۔ پوری انسانیت کے لیے رحمت،

رسول اللہ نے پوری انسانیت کو جس محبت واخوت کا پیغام دیا ہے وہ پوری دنیا کے لیے قابل تقلید ہے۔ آپ کی تعلیم سے صاف واضح ہے کہ آپ کسی مخصوص طبقہ یا نسل کی بھلائی کے خواہاں نہیں تھے، بلکہ پوری انسانیت کی خیر خواہی اور نجات کے لیے بے قرار و فکر مند رہتے تھے۔

قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جذبے کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (کہف)

ترجمہ: پس اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج وغم میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں گے؟

قرآن مقدس میں آپ کی شان اقدس کی یہ خوبی اس طرح سے بھی سے مذکور ہے:

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

تمھارے بارے میں حریص ہیں اور مومنوں کے ساتھ رحم دل اور مہربان ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رحمت اور آپ کا حسن سلوک صرف مومنوں کے لیے خاص نہیں تھا، بلکہ کفار کے لیے بھی تھا۔ یہاں تک کہ ان منافقوں سے بھی آپ کا برتاؤ نہایت مشفقانہ رہتا تھا جن کے نفاق کا علم آپ کو بخوبی ہو چکا تھا۔ لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ رحمت ہی تھا کہ ان کو بھی ایک عام مسلمان کی طرح سارے حقوق آپ نے دے رکھے تھے، کیوں کہ وہ مسلمانوں میں رہتے تھے اور ظاہری طور پر اسلامی شعار اپنائے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

میں تمام لوگوں کے لیے زحمت بنا کر نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم، کتاب البر والصلۃ)

ایک دوسری روایت میں ہے: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں آخری نبی ہوں، میں حاشر (وہ آخری نبی جن کی نبوت کے ساتھ حشر ہوگا)، میں توبہ کا نبی ہوں (وہ نبی جس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے) اور رحمت کا نبی ہوں۔ (مسند امام حنبل، ج:۴، ص:۳۹۵)

آپ کا رحم وکرم ان لوگوں کے لیے بہت زیادہ تھا جنھیں دنیا قابل توجہ نہیں سمجھتی ہے۔ مثلاً لونڈی، غلام، کمزور بے سہارا، معاشرہ کے دبے کچلے لوگوں پر آپ کی شفقت بے پناہ تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا کتنا خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا سکتا ہے:

قبیلہ مقرن کے ایک شخص نے ایک مرتبہ اپنی لونڈی کو مارا پیٹا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس کی خبر ملی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کو بلایا اور فرمایا: تم نے ناحق اس کو مارا، اس کو آزاد کر دو۔ (مسلم، حدیث:۱۶۵۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ اور نسل کی بنیاد پر قائم ہر طرح کی تفریق و امتیاز کو ختم کیا۔

ایک بار حضرت ابوذر غفاری، حضرت بلال سے ناراض ہوگئے اور اُن کی بے عزتی کر دی۔ حضرت بلال کو "کالی عورت کا بیٹا" کہہ دیا۔ حضرت بلال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روتے ہوئے یہ واقعہ سنایا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو بلا کر تنبیہ کی اور فرمایا: کیا ابھی بھی تمھارے اندر جاہلیت کی نشانی موجود ہے؟ وہ تمھارے بھائی ہیں، جن کو اللہ نے تمھارے ماتحت کیا ہے۔ جو تم کھاتے ہو اُسے کھلاؤ، جو تم پہنتے اُسے بھی پہناؤ، اور طاقت سے زیادہ کسی مکلّف نہ بناؤ۔ حضرت ابوذر غفاری اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے زمین پر لیٹ گئے اور کہنے لگے: میں یہاں سے اپنا سر اُس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا، جب تک کہ بلال اپنا پاؤں اِس پر نہیں رکھ دیتے۔ حضرت بلال نے ان کو معاف کر دیا اور اس طرح دونوں کے دل صاف ہوگئے۔ (مسلم، حدیث:۱۶۶۱، بحوالہ شرح از نووی)

یہ وہ تعلق اور رشتہ محبت و اخوت تھا جو اسلام نے ان لوگوں میں پیدا کیا تھا جو کبھی وحشی ہوا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلوقات سے محبت آج کے خود ساختہ انسانی حقوق کے نمائندوں سے یکسر مختلف تھی۔ وہ اپنی محبت اور شفقت میں مخلص اور پکے تھے۔ وہ اس رب کی طرف سے بھیجے گئے پیغمبر تھے جو تمام مخلوق کا خالق اور پالنے والا ہے۔ ان کو جن و انس کی رہنمائی اور فلاح کے لیے اور موجودات میں ہم آہنگی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ در حقیقت وہ صرف اپنوں ہی کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی جیتے تھے، کیوں کہ وہ پوری کائنات کے لیے سراپا رحمت تھے۔

❁❁❁

مواخات مدینہ کی عصری معنویت

مواخات مدینہ ان بنیادی اقدامات میں سے ہے ،جن پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل کا آغاز ہوا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جس چیز کی سب سے پہلے ضرورت تھی وہ یہ تھی کہ ایک ایسی اسلامی ریاست کا قیام ہو، جس کی بنیاد اسلامی اصول پر ہو، اس میں مذہبی احکام کی پاسداری کے ساتھ ساتھ معاشی و اقتصادی مسائل کا بھی بہترین حل موجود ہو، چنانچہ اسی مثالی نظام کو قائم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً جو عملی اقدامات کیے اُن میں ایک تاریخی اور نہایت مؤثر قدم 'مواخات مدینہ' بھی ہے، جو آپ کی اعلیٰ سیاسی بصیرت اور مدبرانہ ذہانت کا بے مثال نمونہ ہے۔

عقد مواخات

سیرت کی کتابوں میں اس تعلق سے اختلاف ہے کہ مہاجرین وانصار کے مابین ہجرت کے کتنے دن بعد 'مواخات' قائم کی گئی؟ کسی نے پانچ ماہ بعد اور کسی نے تین ماہ بعد لکھا ہے۔ اس کا واقعہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن ہشام، ابن اسحاق سے نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم فرمایا ،ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ہمیں یوں ہی خبر ملی ہے اور ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دو دو آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ، پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: علی میرا بھائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ رسولوں کے سردار، تمام متقیوں کے امام اور رسول رب العالمین تھے، لوگوں میں حضور کا کوئی بھی مثل ونظیر نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا بھائی منتخب فرمایا۔ (ابن ہشام جلد:۱، ص:۵۰۴، مکتبہ شاملہ)

ابن قیم جوزی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کے گھر میں مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت قائم فرمایا۔ یہ کل نوّے حضرات تھے، ان میں آدھے مہاجرین اور آدھے انصار تھے۔ اخوت کی بنیاد یہ تھی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گے اور وفات کے بعد نسبی قرابت داروں کے بجائے، یہی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور وراثت کا یہ حکم جنگ بدر تک باقی رہا، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: وَاُولُوا الْاَرْحَامَ بَعْضَهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

تو یہ حکم منسوخ ہوگیا، مگر اخوت باقی تھی۔ (زاد المعاد، ج:۲، ص:۵۶، مکتبہ شاملہ)

مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت کا مطلب تھا غریب الوطن اور بے گھر مہاجرین اور وہاں کے مقامی باشندے انصار کے مابین محض اللہ کے لیے ایسا رشتہ قائم کرنا، جس میں دونوں حضرات ایک دوسرے کے دکھ اور درد میں شریک ہوں اور باہمی تعاون کا ماحول بنے، نیز مہاجرین کو اپنے وطن اور اہل وعیال کی دوری کا غم نہ ستائے، انھیں اجنبیت محسوس نہ ہو اور اتحاد واپنائیت کی فضا ہموار ہو، مزید اس رشتے کی بنیاد صرف اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ پر قائم تھی۔

علامہ سہیلی لکھتے ہیں: مواخات کا یہی مقصد تھا کہ مہاجرین کو اجنبیت کا احساس ختم ہوجائے، اہل وعیال اور قرابت داروں کی جدائی کا غم دور ہوجائے اور ایک دوسرے کا سہارا بنیں۔ (سبل الہدی والرشاد، ج:۳، ص:۵۳۰)

مواخات کی حکمت اور بنیادی مقاصد

عقد مواخات کے بہت سارے بنیادی مقاصد تھے جو مختلف جہتوں اور پہلوؤں پر مشتمل تھے: مثلاً:

سیاسی فائدہ: مدینہ میں مخالفین کا بھی ایک گروہ تھا جو اسلام مخالف سازشوں میں ہمیشہ سرگرم رہتے، اس لیے اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ انصار و مہاجرین کے درمیان مقامی و غیر مقامی ہونے کی بنیاد پر نفرت و دشمنی پیدا نہ کرادیں۔

مہاجرین و انصار کے درمیان ایک بہت بڑا جو فرق تھا وہ نسل اور تہذیب کا فرق تھا ، چونکہ مکہ اور مدینہ کی دو الگ الگ تہذیب و ثقافت تھی جو ایک دوسرے سے بالکل ہم آہنگ نہ تھی، مگر مواخات کے عمل نے اس تہذیبی فرق کو ختم کر ڈالا اور دونوں کو ایک اسلامی تہذیب میں رنگ ڈالا۔

غرض کہ وہ سارے اسباب جن سے ان کے درمیان منافرت اور مغایرت پیدا ہونے کا امکان تھا، جیسے: علاقائی عصبیت ، مقامی و غیر مقامی تفریق ، نسلی اور تہذیبی فرق وغیرہ ، ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کے عمل سے یکسر ختم کر ڈالا اور جو اپنی تہذیب کی بنا پر ایک نہیں ہو پاتے تھے، آپسی اتحاد و محبت کی ایک مثال بن گئے۔

معاشی فائدہ: چونکہ مہاجرین اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں آئے تھے، جن کے پاس مسائل ہی مسائل تھے وسائل بالکل نہیں تھے ۔ سب سے اہم مسئلہ ان کی باز آبادکاری اور معاش کا تھا، مواخات کا یہ فائدہ ہوا کہ مہاجروں کو فوری طور پر مالی تعاون مل گیا کہ انصار نے انھیں اپنے مال و متاع میں شریک کر لیا اور نہ صرف شریک کر لیا بلکہ ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھا، ساتھ ہی ساتھ رہنے کے لیے اپنا گھر بھی دیا، تاکہ مہاجرین کو کسی چیز کی کوئی پریشانی نہ ہو۔ اس طرح نہ صرف ان کے معاش کا مسئلہ حل ہو گیا، بلکہ سکونت کی فکر بھی ختم ہو گئی۔ واضح رہے کہ مہاجرین ایک غیرت منداور حساس قوم سے تعلق رکھتے تھے، اسی وجہ سے وہ تھوڑے ہی عرصے میں اپنی محنت اور کسب سے خود کفیل ہو گئے تھے۔

معاشرتی فائدہ: بے یار و مددگار مہاجرین کی مدینہ میں نہ کوئی رشتہ داری تھی اور نہ قرابت داری، ایسے میں انھیں عزیز و اقارب کی کمی محسوس ہو رہی تھی، یہ سارے احساسات ان کے لیے روح فرسا تھے، لیکن مواخات نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا، انصار کی بے لوث محبت

،جذبۂ جاں نثاری اور خلوص بھرے برتاؤ نے اجنبیت کے احساس کو بھی دور کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہاجرین خود کو اکیلا محسوس کرنے کے بجائے معاشرتی اعتبار سے بھی مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔

علمی و ایمانی فائدہ: چونکہ مہاجرین ایمان کے اعتبار سے مقدم تھے، مکی زندگی میں انھوں نے تیرہ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی تھی، ایمانیات کے وہ علوم جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے تھے، ضروری تھا کہ یہ سارے علوم انصار میں بھی منتقل ہوں، چنانچہ مواخات کے ذریعے وہ سارے علوم انصار تک پہنچائے گئے، اسی طرح انصار و مہاجرین ایک دوسرے کے معاشی تجربات اور اقتصادی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھاتے رہے۔ مہاجرین کا ذریعۂ معاش تجارتی امور سے متعلق تھا جب کہ انصار مدینہ زراعت و کاشتکاری میں مہارت رکھتے تھے، لہٰذا مہاجرین نے انصار کے تعاون سے مدینہ میں نہ صرف تجارتی سرگرمیاں شروع کیں، بلکہ زراعت کا بھی آغاز کر دیا۔

اسی طرح انصار زراعت کے علاوہ تجارت میں بھی حصہ لینے لگے، پھر ان دونوں کے علوم و تجربات کے تبادلے نے علم و ہنر اور اقتصادی امور کے میدان میں ایک بے مثال شناخت قائم کر لی، جس کی وجہ سے دوسری قوموں پر انھیں طبقاتی غلبہ حاصل ہو گیا۔

مواخات کے فرحت بخش اثرات و نتائج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انقلابی اقدام نے انصار و مہاجرین کے مابین ایسی الفت و ہمدردی کا جذبہ بھر دیا کہ وہ نسل اور تہذیب و تمدن کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے اوپر جان نثار کرنے لگے، ان میں ذرہ برابر بھی غیریت نہیں رہی، سب دو جسم ایک جان ہو گئے، یہاں تک کہ انصار نے اپنے خونی رشتے داروں اور سگے بھائیوں سے زیادہ ان کی دلجوئی کی، جیسا کہ درج ذیل احادیث کریمہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ

اور ان کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرمادیا، چنانچہ حضرت سعد نے اپنے ایمانی بھائی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے کہا: تم میرے بھائی ہو، میں اہل مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، تم میری ہر چیز سے آدھا لے لو، نیز میری دو بیویاں ہیں، ان میں جو بھی تمھیں پسند ہو چن لو، تاکہ میں اُسے طلاق دے دوں اور عدت گزر جانے کے بعد تمھارا نکاح اس سے کر دوں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا: نہیں، میرے بھائی! اللہ تمھارے مال اور اہل و عیال میں برکت دے۔ تم مجھے بازار کا راستہ بتادو، تو انھوں نے بنی قینقاع کے بازار کا راستہ بتایا، آپ وہاں گئے اور خرید و فروخت کیا جس میں خوب نفع کمایا۔

واپسی پر کچھ گھی اور پنیر بھی ساتھ میں لائے، اب بازار جانا اور کاروبار کرنا ان کا معمول بن گیا۔ چند روز بعد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کپڑے پر زعفرانی رنگ کے نشانات دیکھ کر فرمایا: کیا تم نے شادی کر لی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر آپ نے پوچھا: کس سے؟ تو بتایا کہ ایک انصاری خاتون سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: مہر کیا دیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی سے۔ (بخاری، کتاب البیوع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَتِ الأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا النَّخِيلَ، قَالَ: لاَ، فَقَالَ: تَكْفُونَا المَئُونَةَ وَنُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ، قَالُوا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا۔ (بخاری، باب الشروط فی المعاملہ)

ترجمہ: ایک بار انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے نخلستانوں (کھجور کے باغ) کو ہمارے اور مہاجر بھائیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم فرمادیں، آپ نے فرمایا: نہیں، وہ پھل میں تمھارے حصے دار ہوں گے ملکیت میں نہیں۔ انھوں نے کہا:

ہم نے آپ کا فرمان سنا اور اس کی اطاعت کی۔

ایک روز مہاجرین صحابہ اپنے انصار بھائیوں کے جذبۂ ایثار سے متاثر ہوکر حضور کی بار گاہ میں عرض کرنے لگے:

یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قوم جن کے یہاں ہمیں مہمان بننے کا موقع ملا ہے، یہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہماری دلجوئی کیا کرتے ہیں اور ہماری بڑی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اپنے مال کو بڑی فیاضی اور فراخدلی سے خرچ کرتے ہیں، ہم نے ایسی عظیم قوم کہیں نہیں دیکھی، ہمیں کوئی محنت مشقت بھی نہیں کرنے دیتے اور اپنی آمدنی سے پورا پورا حصہ بھی دیتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہونے لگا ہے کہ سارا اجر و ثواب کہیں یہی نہ کمالیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایسا نہیں ہوگا، بلکہ تم ان کی تعریف کرتے ہوگے اور ان کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہوگے۔ (مسند احمد، ص:۲۰۰تا۲۰۱)

اس طرح مواخات کے نتیجے میں ایسا نظام قائم ہوا کہ جس نے ہر قسم کی تفریق اور ہر نوع کے امتیاز کا خاتمہ کر دیا، نیز آپسی محبت و بھائی چارے کی ایسی خوشبو بکھیری کہ سارے بھید بھاو اور برتری کا خیال دل و دماغ سے یکسر مٹ گیا اور لوگ اتحاد و محبت اور ایثار و ہمدردی جیسے اعلیٰ خصلتوں کے پیکر بن گئے، یہ سب ایمانی روح کا کمال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فیضان تھا کہ مہاجرین و انصار کے اندر ایسی اخلاقی صفات پیدا ہوگئیں جو دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

عصری تناظر میں درس و عبرت

مواخات کا انقلابی عمل ہمیں بہت کچھ سکھاتا ہے، مثلاً:

اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ ہر فرد عصبیت کے زہر سے پاک ہو، رنگ و نسل، زبان و وطن، برادری و خاندان اور تہذیب و کلچر کی تفریق کو یکسر ختم کیا جائے، معاشرے کی بنیاد صرف اور صرف رشتۂ ایمان پر قائم ہو

چونکہ عمومی طور سے دیکھا جاتا ہے کہ آپسی انتشار اور منافرت کا ماحول عصبیت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، آج امت مسلمہ کو متحد کرنے کے لیے مواخات کا عمل ایک بار پھر سے دہرانا ضروری ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام اور محبت و ہمدردی کا مستحق ہے ،خواہ وہ کہیں کا ہو، جیسا کہ انصار و مہاجرین کا طرز عمل تھا، ایک مومن کا دل اپنے مومن بھائی کے لیے بغض و کینہ، حسد و نفاق جیسی رذیل خصلتوں سے پاک ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کی تکلیف اور ضرورت کا احساس ہونا چاہیے، تاکہ ہم باہمی تعاون کے جذبے سے سرشار ہوں۔

دین کی راہ میں صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے کا سہارا بنے اور تقویت پہنچائے، مثلاً: کوئی اپنا وطن اور اہل و عیال کو چھوڑ کر دین کی خدمت میں مصروف ہے تو ہمارا یہ فریضہ بنتا ہے کہ ہم اس کا ہر ممکن تعاون کریں، اس کے ساتھ محبت و اخلاق سے پیش آئیں اور اُس کو اجنبیت کا احساس نہ ہونے دیں ،یعنی جو لوگ آج اپنا سب کچھ چھوڑ کر دعوت دین کا کام کرنے کے لیے مہاجرین کی طرح اجنبی علاقوں میں فروکش ہیں ،ایسے میں وہاں کے مقامی باشندوں کا ایمانی فریضہ بنتا ہے کہ وہ انصار کی طرح اُن کی مدد کریں۔

موجودہ دور میں بعض مسلمان سخت معاشی مشکلات سے دوچار ہیں، بعض کے سامنے اپنے بچوں کے تعلیمی مسائل ہیں، امت مسلمہ کو ان سارے مشکلات و مسائل سے نجات دلانے کے لیے ہم اپنی ذمے داری کا احساس کریں اور نظام مواخات کو عملی طور پر زندہ کریں، محض زبانی جمع خرچ اور لفظی ہمدردی سے بچیں ،

مگر افسوس کہ آج ہمارا عملی جدوجہد صرف اپنے ذاتی مفاد کے لیے وقف ہو کر رہ گیا ہے اور ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں۔

مواخات کے نتیجے میں ایک بہت ہی اہم سبق یہ بھی ملا کہ کوئی مسلمان بھائی اگر دینی اخوت کے جذبے میں کسی ضرورت مند بھائی کی مدد کرتا ہے، تو اُسے چاہیے کہ وہ مدد کرنے والے پر بوجھ نہ بنے اور اُس سے اپنی ضرورت اور سامنے والے کی حیثیت کے مطابق مدد کا

طالب رہے، مزید ہمیشہ کے لیے اسی کی مدد پر تکیہ کرکے خود کو کاہل اور سست نہ بنالے، بلکہ اپنے کسب و محنت کو جاری رکھے اور خود کفیل بننے کی کوشش کرے، جیسا کہ مہاجرین صحابہ نے کرکے دکھایا، اس رویے سے آپسی تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہتے ہیں، ورنہ تلخیاں پیدا ہونے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔ مواخات مدینہ کی اہمیت آج اس لیے بھی زیادہ ہے کہ یہ ہمیں صرف آپسی بھائی چارے کا پیغام نہیں دیتا، بلکہ یہ دین پہنچانے اور اس میں تعاون کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے، کیوں کہ مہاجرین وانصار کے کردار کو دیکھیں تو یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ مہاجرین نے لگاتار تیرہ سال تک حضور صلی علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت میں رہ کر اپنے دین وایمان کو پروان چڑھایا اس لیے انھیں اسلام، ایمان اور احسان کی وہ لازوال نعمتیں حاصل تھیں جو انصار کے پاس نہیں تھیں ،اس طرح مہاجرین، انصار کو دین وایمان کا گوہر نایاب دے رہے تھے اور انصار دنیاوی مال ومتاع سے مہاجرین کی مدد کررہے تھے، تاکہ دین وایمان کا یہ عمل رکنے نہ پائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے، گویا مہاجرین الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللهِ وَيَخْشَوْنَهٗ پر عمل کررہے تھے تو انصار وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى پر عامل تھے۔ اسی طرح آج جو لوگ خالصتًا لوجہ اللہ دین کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں، وہ مہاجرین کی صف میں ہیں اور جو اپنے دنیاوی مال ومتاع سے دین کی تبلیغ واشاعت میں ان کی مدد کررہے ہیں وہ انصار کے زمرے میں ہیں۔

حاصل یہ کہ اس دینی رشتۂ اخوت کی قدر کریں، کیوں کہ یہ وہ عطیہ ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور مخصوص بندوں کو سرفراز کیا ہے،

اس لیے اُسے اللہ کا بے پناہ فضل سمجھیں

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ يُّرِيْدُوْا أَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ○ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال)

ترجمہ: اور اگر وہ تجھے فریب دینا چاہیں، تو بے شک اللہ تیرے لیے کافی ہے، وہی ہے

جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کی مدد سے تجھے قوت بخشی اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دیا، اگر تم زمین کی تمام چیزیں بھی خرچ کر دیتے، تو بھی تم ان کے دل آپس میں نہ ملا پاتے، لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیے، بے شک وہی غالب حکمت والا ہے۔ اخوت ایک ایسی ایمانی قوت ہے جو جذبۂ خیر اور پر خلوص محبت و احترام کا گہرا شعور پیدا کرتی ہے اور ہزار اختلاف کے باوجود ایمانی مرکز پر متحد کر دیتی ہے، جہاں رحمت و ایثار، عفو و درگزر، باہمی تعاون زندگی کا اٹوٹ حصہ بن جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(حجرات ۱۰)

ترجمہ: مسلمان بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحمت ہو۔

❁❁❁

رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم و مربی

ایک کامیاب استاذ کے لیے لازم ہے کہ بہترین مزاج شناس ہو، صادق و شفیق ہو، اور حکیمانہ اصول کا جامع ہو

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تمھارے درمیان تمھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور تمھیں صاف و ستھرا کرتے ہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں، اور تمھیں ان چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔

مذکورہ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کو بیان کیا گیا ہے ان میں ایک واضح مقصد، تعلیم و تزکیہ ہے، گویا اُمت کے لیے آپ کی حیثیت ایک ربانی معلم و مربی کی ہے، بلکہ آپ تمام معلموں میں سے سب سے بہتر ہیں، کیوں کہ آپ کی زندگی ہر اعتبار سے اسوۂ کاملہ و حسنہ ہے جسے تمام اہل ایمان کے لیے پیروی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے، آپ کی مقدس شخصیت میں جو معلمانہ اوصاف و کمالات تھے وہ تاریخ کے کسی بھی معلم و مربی کے اندر نہیں پائے جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے وہ گوشے جو تعلیم و تربیت سے متعلق ہیں اور اُن میں جو ہدایات و اصلاحات ملتی ہیں انھیں اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کیا جائے گا تاکہ عمومی طور سے سارے لوگ اور خصوصی طور سے درسگاہ سے وابستہ مدرسین و اساتذہ اپنی صلاح و فلاح کے نقوش حاصل کر سکیں۔

تعلیم و تربیت سے متعلق دو اہم اور بنیادی مسئلے زیادہ تر زیر بحث رہتے ہیں:

۱۔ پڑھانے والا کیسا ہو؟

۲۔ کیا پڑھایا جائے اور کیسے؟

پہلے مسئلے کا تعلق بلا واسطہ معلم و استاذ سے ہے، یعنی ایک استاذ کے اندر کون سی خصوصیات اور اوصاف ہوں؟ اس موضوع سے متعلق سیرت نبوی کی روشنی میں وہ بنیادی اوصاف و خصائل بیان کیے جا رہے ہیں جو ایک استاذ کے لیے انتہائی لازم و ضروری ہیں۔

اخلاص وللّٰہیت

استاذ و مربی کے اندر اخلاص وللّٰہیت ہونا اہم ہے۔ اس پُرفتن دور میں اس کا فقدان کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، اساتذہ کی اکثریت اس خوبی و جوہر سے خالی ہے، جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ تعلیمی کوششیں بلا فائدہ نظر آتی ہیں، کیوں کہ اہل علم اپنے علم کو دنیوی اغراض کے حصول میں استعمال کر رہے ہیں، جب کہ علم کی اشاعت اور خدمت میں فقط یہ نیت کارفرما ہونی چاہیے کہ یہ عمل خالص اللہ کے لیے کیا جائے۔ علم، دین اسلام کو پھیلانے اور غالب کرنے میں استعمال کیا جائے نہیں تو بے فائدہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ طَلَبَ العِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ العُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ۔ (ترمذی، باب ماجاء فیمن یطلب العلم بعلمہ الدنیا، حدیث: ۲۶۵۴)

ترجمہ: جس نے علم دین اس غرض سے حاصل کیا، تاکہ اس کے ذریعے علما سے مقابلہ کرے گا، یا اس کے ذریعے احمقوں سے بحث بازی کرے گا، یا لوگوں کو اپنی جانب مائل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے جہنم کی آگ میں داخل کر دے گا۔

صداقت و سچائی

سچائی، استاذ کے لیے ایسے ہی ہوتی ہے جیسے تاج کسی بادشاہ کے سر پر ہوتا ہے۔ سچ

بولنے کی وجہ سے اس کی بات اور اُس کے علم پر لوگ اعتماد کرتے ہیں، لیکن اگر اُس میں جھوٹ بولنے کی صفت ہو تو معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ وہ استاذ و مربی جس میں سچائی والا وصف نہیں ہوتا وہ طلبا کی نگاہ سے گر جاتا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ نیز یہ کہ صدق کی صفت دین و دنیا دونوں میں نجات کا ذریعہ بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی و معاشرتی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کو کبھی کسی نے جھوٹ میں ملوث نہیں پایا، اسی لیے پورے مکہ میں ہر ایک کی زبان پر اگر کوئی صادق و امین تھا تو وہ آپ ہی کی ذات بابرکات تھی۔ اس کا اعتراف کفار و مشرکین کو بھی تھا۔

صدق کی رغبت دلاتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى البِرِّ، وَإِنَّ البِرَّ يَهْدِي إِلَى الجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يَكُوْنَ صِدِّيْقًا، وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الفُجُوْرِ، وَإِنَّ الفُجُوْرَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔ (بخاری، باب قولہ تعالی یاایہاالذین آمنوا، حدیث:۶۰۹۴)

ترجمہ: سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی، انسان جب سچ کا عادی ہو جاتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں وہ صدیق (بڑا سچا) بن جاتا ہے۔ جھوٹ بُرائی کی دعوت دیتا ہے اور بُرائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان جب جھوٹ کو اپنی عادت بنالیتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں وہ کذاب (بڑا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔

شفقت و نرمی

ایک استاذ کے اندر شفقت و نرمی کا ہونا لازم ہے کہ اس کے بغیر ایک اچھا استاذ ہونا مشکل ہے۔ ساتھ ہی رحم دل و نرم گفتار ہونا بھی لازم ہے، ورنہ تعلیم و تعلّم کے ساتھ انصاف دشوار ہو جائے گا۔ خود معلم کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حد درجہ نرم طبیعت کے مالک تھے اور سب سے زیادہ شفقت فرمانے والے تھے۔ قرآن مقدس میں مذکور ہے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)

ترجمہ: یہ اللہ کی جانب سے رحمت ہے کہ آپ لوگوں کے لیے نرم دل ہیں، اگر آپ سخت دل، تُرش مزاج ہوتے تو آپ کے اردگرد سے مخلوق بھاگ کھڑی ہوتی۔

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر عفوودرگذر، ضبط وتحمل پورے کمال کے ساتھ موجود تھا۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کردیا، لوگ اس کو روکنے کے لیے اس کی طرف بڑھنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اُسے چھوڑ دو اور ایک ڈول پانی ڈال دو، پھر آپ نے اُسے نہایت نرمی سے سمجھاتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ، لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْبَوْلِ، وَلَا الْقَذَرِ، إِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالصَّلَاةِ، وَقِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ۔ (مسلم، باب وجوب غسل البول...، حدیث: ۲۸۴)

ترجمہ: مسجد پیشاب اور گندگی کرنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ ذکر الٰہی، نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہے۔

آج کے اساتذہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ایک مثالی نمونہ ہے جس کی روشنی میں ہر چھوٹا بڑا معلم واستاذ اپنے آپ کی اصلاح کرسکتا ہے اور موجودہ ملک وسماج میں جب کہ انسانیت سسک رہی ہے اور اخلاق کا جنازہ نکل رہا ہے، نئی نسل کو اخلاق ومروت اور انسان دوستی کا بہترین سبق دے سکتا ہے۔

قول وعمل میں یکسانیت

ایک استاذ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس اچھائی کی وہ دعوت دے پہلے خود اُس پر عمل کرے۔ جس بُرائی سے وہ منع کرے پہلے خود اُس بُرائی سے بچے، نہیں تو اُس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اور اُس کی بات کو مذاق واستہزا بنایا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ آپ نے جس بات کا حکم فرمایا پہلے اس پر عمل کرکے دکھایا۔

صلح حدیبیہ کے موقعے سے جب آپ نے صحابہ کرام کو قربانی کرنے کا حکم دیا تو ایک بھی نہیں اٹھے۔ آپ نے تین بار دہرایا، پھر بھی سب اپنی جگہ بیٹھے رہے، اسی عالم میں آپ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس تشریف لائے اور انھیں اس صورت حال سے آگاہ فرمایا۔

یہ سن کر اُم سلمہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی: یارسول اللہ! آپ واقعی اگر یہی چاہتے ہیں تو کسی سے کچھ نہ کہیں اور اِس عمل کا آغاز اپنی ذات سے فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند آئی اور آپ نے ویسا ہی کیا، پھر جیسے ہی صحابہ کرام نے آپ کو قربانی کرتے ہوئے دیکھا سب خود بخود قربانی کرنے لگے۔ (ملخصًا، زاد المعاد، جلد:۳، ص:۲۹۵)

اس میں ایک استاذ کے لیے ایک واضح پیغام ہے کہ اپنے معتمد افراد سے مشکل گھڑی میں مشورہ لینا چاہیے اور اگر مشورہ صحیح ہو تو اُس پر عمل بھی کرنا چاہیے، مشورہ دینے والا رتبے میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

تعلیم و تربیت کے چند حکیمانہ اصول

ایمان و عقیدہ کو راسخ کرنا: دوران تدریس جو کچھ پڑھایا جائے، ان تمام مضامین کو دینی اور دنیوی مثالوں کے ذریعے بتایا اور سمجھایا جائے، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں بعض مقامات پر ایمانیات کو محسوس مثالوں سے بیان فرمایا ہے، جیسے ایک مقام پر ''بعث بعد الموت'' (موت کے بعد زندہ ہونا) کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (فصلت)

ترجمہ: اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم زمین کو اس حال میں دیکھتے ہو کہ اس میں کوئی سبزہ نہیں ہوتا، لیکن جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ سرسبز و شاداب نظر آنے لگتی ہے جس نے اس مردہ زمین کو زندگی بخشی ہے، وہی مردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام کو بات ہی بات میں بڑے منطقی طریقے سے صحیح عقیدے کی رہنمائی فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لاَ عَدْوىٰ وَ لاَ صَفَرَ وَ لاَ هَامَةَ، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: يَارَسُوْلَ اللهِ! فَمَا بَالُ إِبِلِي، تَكُوْنُ فِي الرَّمْلِ كَأَنَّهَا الظِّبَاءُ، فَيَأْتِي الْبَعِيْرُ الْأَجْرَبُ فَيَدْخُلُ بَيْنَهَا فَيَجْرِبُهَا؟ فَقَالَ: فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ؟

(بخاری، باب لا صفر...، حدیث:۵۷۱۷)

ترجمہ: چھوت لگنا، ماہ صفر کا منحوس ہونا اور اُلّو کا منحوس ہونا، کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ سن کر ایک دیہاتی نے عرض کیا کہ جب بیماری کا پٹنا کوئی چیز نہیں تو کیا وجہ ہے کہ اونٹ کا ریوڑ جب ریگستان میں رہتا ہے تو ہرن کی طرح صاف وستھرا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں جب کوئی خارش زدہ اونٹ داخل ہو جاتا ہے تو پورے ریوڑ کو خارش زدہ کر دیتا ہے؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو یہ بتاؤ کہ پہلے والے اونٹ کو کس نے خارش زدہ کیا؟

معلوم ہوا کہ اگر اللہ پر کامل یقین ہے تو اِس طرح کی باتیں ذہن میں گھر نہیں کر سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک استاذ کے اندر یہ صلاحیت بھی لازم ہے کہ وہ طلبا کو اس کے آس پاس کی چیزوں سے مثالیں دے کر سمجھا سکے۔

نفسیات و مزاج کا لحاظ

عمومی طور سے بعض استاذ طلبا کے مراتب عقل اور نفسیات کا خیال نہیں رکھ پاتے، جس کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

اس لیے کامیاب استاذ کے لیے لازم ہے کہ وہ نفسیات سے کچھ حد تک باخبر ہو۔ اس تعلق سے بھی معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک مثالی رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ عمدہ نباض اور بہترین مزاج شناس استاذ و مربی تھے، مختلف طبیعت والے اور الگ الگ ماحول میں رہنے والے لوگوں کے ساتھ آپ کا طریقہ تعلیم و تربیت بھی الگ الگ ہوتا تھا، یعنی سامنے والے کے ذہن و دماغ، رجحان اور فطری صلاحیت کا بھرپور لحاظ رکھتے تھے۔ سیرت نبوی میں اس کی مثالیں بہت ملتی ہیں کہ ایک چیز کو سمجھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقہ اختیار فرمایا۔ مثلاً: ایک شخص آتا ہے اور سب سے افضل عمل کے بارے میں پوچھتا ہے تو آپ اُسے جو اب دیتے ہیں کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے۔ دوسرا شخص یہی سوال کرتا ہے تو آپ اس سے فرماتے ہیں کہ نماز سب سے افضل ہے، جب کہ تیسرے شخص کے سوال کے جواب میں حسن اخلاق کو سب سے افضل بتا دیتے ہیں۔ بظاہر ایک سوال کے مختلف اور الگ الگ جواب ہیں، مگر سب اپنی جگہ درست اور برمحل ہیں، کیوں کہ یہ سارے جوابات مخاطب کے نفسیات اور اُن کے

احوال کے اعتبار سے تھے۔ یہ حکمت و دانائی آج بھی ہر استاذ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

تعلیم و تربیت میں نفسیات کی رعایت کرنا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک نہایت جامع اصول عطا کرتا ہے کہ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ أَتُحِبُّوْنَ أَنْ یُکَذَّبَ اللهُ وَرَسُولُهُ (بخاری، باب من خص بالعلم...، حدیث:۱۲۷)

ترجمہ: لوگوں سے اس کے عرف کے مطابق گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

مناسب موقع سے فائدہ اٹھانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ سائل کے ہر سوال کا جواب اُس کے ذہن میں پوری طرح اُتار دیا جائے، چنانچہ جب کبھی ایسا موقع آتا تو آپ اس کا برمحل استعمال فرماتے۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گاؤں سے واپسی پر مدینے کے بازار سے گذر رہے تھے، وہاں چھوٹے کان والا بکری کا ایک بچہ مردہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اِس مردہ بچے کو ایک درہم کے بدلے خریدنا چاہتا ہے؟ صحابہ کرام نے جواب دیا کہ ہم کسی بھی قیمت پر اُسے خریدنا پسند نہیں کریں گے، یہ ہمارے کسی کام کا نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمھیں مل جائے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی کان چھوٹا ہونے کا عیب اس میں تھا اور اَب تو یہ مردہ ہے، پھر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا؟

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بکری کا یہ بچہ تمھاری نظر میں جتنا بدتر ہے، اللہ کی نگاہ میں دنیا اس سے بھی زیادہ رذیل ہے۔ (مسلم، کتاب الزہد والرقائق، حدیث:۲۹۵۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے بدتر ہونے کو صحابہ کرام کے دماغ میں اِس انداز سے اتار دیا کہ پھر کبھی صحابہ کرام نے دنیا کی ظاہری چمک دمک کی طرف مڑ کر دیکھنا گوارا نہیں کیا۔

اِس پہلو کو بھی بطور خاص اساتذہ اپنے دھیان میں رکھیں کہ سفر و حضر جب کبھی بھی موقع ملے تو اپنے مخاطب کو سمجھانے سے نہ چوکیں تاکہ مخاطب کے دماغ و دل میں وہ بات بیٹھ

جائے جس کو سمجھایا جارہا ہے۔

اشاروں اور مثالوں کا استعمال

محسوس کی جانے والی مثالوں اور اشاروں کے ذریعے باتوں کو سمجھانے کا انداز سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بکثرت موجود ہے۔ جہاں زبانی تقریر سے باتوں کو سمجھانا مشکل ہوتا وہاں آپ خارجی مثالوں اور واضح اشاروں کے ذریعے اسے بہت آسانی سے واضح فرمادیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أَنَاوَ كَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى۔

(بخاری، باب اللعان، حدیث:۵۳۰۴)

ترجمہ: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں ان دونوں انگلیوں کی طرح ہوں گے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ والی سے اشارہ فرمایا۔

یہاں کس قدر عمدہ اور عام فہم انداز اپنایا گیا ہے کہ اُسے عام انسان بھی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ دونوں جنت میں ان دونوں انگلیوں کی طرح ہوں گے، آپ نے صاف اشارہ فرمادیا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے سے قریب ہیں اس کے بیچ میں کچھ بھی حائل نہیں ٹھیک جنت میں مجھ سے وہ شخص ایسے ہی قریب ہوگا۔ بھلا ایسی پُر تاثیر مثال بیان کرنے کے بعد کس صحابی کے دل میں یتیم کی کفالت کا شوق پیدا نہیں ہوا ہوگا۔

❁❁❁

سیرت رسول سے دوری: وجوہات اور اَثرات

حضرت مولانا انجم راہی ازہری
فاضل جامعہ ازہر قاہرہ مصر

"مسلمانوں کا دل، قیام گاہِ مصطفیٰ ہے اور مسلمانوں کی عزت وآبرو مصطفیٰ کے نام کی برکت سے ہی قائم ہے۔"

سیرت رسول ﷺ اسلامی تاریخ کا وہ اہم باب ہے جو نہ صرف دینی ہدایت بلکہ اخلاقی اور معاشرتی اصول بھی فراہم کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی اور اُسوۂ حسنہ ہر مسلمان کے لیے مشعل راہ ہے اور اُسی کو اپنا کر اُمت ایک زمانے تک بساط عالم پر اپنا پرچم لہراتی رہی ہے اور تقریبًا ہزار سال اقتدار میں رہنے کے بعد پھر اُمت مسلمہ زوال کا شکار ہوئی تو یہ زوال مختلف شعبوں میں آیا، خصوصًا باب سیرت میں غیر معمولی زوال آیا کہ اُمت مسلمہ جہاں قلبی اور عملی طور پر سیرت سے دور ہوئی تو وہیں فہم سیرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی، جس کے واضح اثرات گزشتہ دو-تین صدیوں سے بخوبی نمایاں ہیں، ایسا آخر کیوں ہوا؟ اِس مضمون میں اِن شاءاللہ ہم اِنھیں وجوہات پر غور و فکر کریں گے اور سیرت سے دوری کے باعث ممکنہ غلط اثرات پر بھی غور کریں گے:

سیرت رسول سے دوری کی وجوہات

۱۔ دینی غفلت: جس طرح سے ایک مسلمان اپنی دنیوی زندگی کو لے کر سنجیدہ ہے اپنی اُخروی زندگی کے حوالے سے اتنا ہی غافل ہے، ایک طرف اپنی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے گھنٹوں اپنا پسینہ بہاتا ہے تو دوسری طرف جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے بچنے کے

لیے پنج وقتہ نماز بھی ادا نہیں کر پاتا۔ آخر کیوں؟ لہٰذا کچھ دیر کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں شریعتِ اسلامیہ یا سیرت طیبہ کا علم نہیں لیکن آج کے برقی آلات اور ذرائع ابلاغ ہی ہمارے اِس قول کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ آج تو علم حاصل کرنا بہت ہی آسان ہو گیا ہے اِس لیے یہ عذر نہ تو دنیا میں سود مند ہے اور نہ ہی آخرت میں اِس کے مقبول ہونے کی گنجائش ہے۔

دراصل ہم اپنی ترجیحات بدل چکے ہیں، آج مذہب ہماری اولین ترجیحات میں شامل نہیں، ہم دنیا کی رنگینیوں اور چکاچوند میں گم ہو کر اِتنے عجلت پسند ہو گئے کہ ہمیں اپنے رب کا وعدہ بھی لمبا لگنے لگا ہے، ہم صرف محسوس دنیا اور جلد ملنے والی نعمتوں پر یقین رکھے ہوئے ہیں اور اِس دنیا کی نعمتوں نے ہمیں اِس قدر دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ ہمارا ہر فیصلہ اِسی دنیوی زندگی تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے، کچھ لوگ تو اِتنے جری ہو گئے ہیں کہ اُن کے تصورات، فہم اسلام یا روح اسلام سے یکسر متصادم نظر آتی ہیں، جیسے یہ کہنا کہ جو ہو گا مرنے کے بعد دیکھا جائے گا۔

۲۔ سیرت کی ناقص تفہیم: سیرت کی افہام و تفہیم اور تعلیم و تدوین مختلف علوم و فنون کے ضمن میں ہوئی لیکن باضابطہ سیرت کے عنوان سے اِس پر ایک زمانے تک کام نہیں ہوا اور اُس کے اصول و ضوابط تو اَبھی بھی نامکمل ہیں، سیرت کے عنوان سے جو بھی کام ہوا وہ واقعات اور غزوات تک ہی محدود ہو کر رہ گیا، اُس میں بھی تدقیق و تحقیق کی قلت دامن گیر رہی، اِس لیے سیرت کا علاحدہ جامع محقق فہم لوگوں تک نہیں پہنچ پایا، جب بھی پہنچا تو کسی نہ کسی دوسرے علم و فن کے ضمن میں اضافی طور پر پہنچا اور اِس فن کی جزئیات میں اہل علم و فن نے اتنی غوطہ زنی کی کہ اس سے مختلف مکاتب فکر وجود میں آ گئے اور ہر مکتب فکر نے اپنے اپنے موقف کے ثبوت میں سیرت طیبہ سے اِستدلال کا جو طریقہ اپنایا اُس سے خود سیرت طیبہ، تضادات کی زد میں آ گئی۔ بس یہیں سے سیرت طیبہ کا عملی و فکری گراف لوگوں کے مابین کمزور ہوتا چلا گیا جسے مزید ہوا اَہل مغرب کے بے جا اِعتراضات نے دی، اور جس کے ردّعمل میں مسلم سیرت نگاروں نے جو سیرت نگاری کی وہ صرف فکریات و عملیات سے متعلق تھی جس کے نتیجے میں خود مسلمانوں میں دو طرح کے ذہن پیدا ہو گئے:

- مغربیت زدہ سیکولرذہن
- مادیت زدہ مذہبی ذہن

مغربیت زدہ سیکولرذہن اپنے نظریاتی اور فکری اختلاف کی وجہ سے خود کو روشن خیال تصور کرنے لگا اور مستشرقین کے زہریلے پروپیگنڈے میں آکر نہ صرف عشق رسول بلکہ ایمان اوراسلام کی حقانیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ دوسری طرف مادّیت زدہ لوگوں نے تو خود کو کسی طرح مستشرقین کے شبہات سے بچالیالیکن عشق رسول اور سیرت کے روحانی پہلو کو فرسودہ اور شخصیت پرستی تصور کرنے لگے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت سے قلبی اور روحانی لگاؤختم سا ہوگیا، صرف خشک عقیدہ وعمل باقی رہ گیااور خیال رہے کہ جو عمل اور عقیدہ اپنی روحانی حیثیت کھودے وہ زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ پاتااِس لیے دھیرے دھیرے مسلمانوں سے بقیہ عمل بھی دور ہوگیااور نتیجہ سیرت طیبہ سے لا تعلقی تک جاپہنچااور یوں ہمارا معاشرہ، سیرت کے حسن وجمال سے خالی ہونے لگا۔

۳۔رول ماڈل کی کمی: رول ماڈل کی موجودگی نوجوانوں کے لیے ایک سمت فراہم کرتی ہے اور زندگی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے اُن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ایسے رول ماڈل جو سیرت کے اعلیٰ معیار پر پورااُتریں وہ معاشرتی مسائل کے افہام وتفہیم اور اِنسانی اقدار کے تحفظ میں بخوبی رہنمائی کرتے ہیں۔ اُن کا کردار یقین دلاتا ہے کہ کامیابی کا حقیقی معیار صرف مادّی دنیاہی نہیں بلکہ سیرت رسول میں بھی پوشیدہ ہے۔

آج سیرت پر لمبی لمبی تقریریں کرنے والے تو مل جاتے ہیں لیکن اُسی سیرت کو اَپنانے والے مشکل سے مل پاتے ہیں، انسانی فطرت ہے کہ وہ مثالی چیزوں کو جلدی قبول کرلیتی ہے، صرف نظریات پر اَپنی عمارت کھڑی کرنا خاص لوگوں کا طریق ہے عام لوگوں کو محسوس نمونہ (ماڈل) چاہیے جسے دیکھ کر وہ اپنی زندگی کا قبلہ شب و روز درست کرتے رہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی نسل انسانی کی اِسی فطری مطالبہ کو پوراکرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت پر دلیل خود اپنی زندگی کو بنا

دیا تھا ـــــــ: لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِه (یونس) یعنی میں دعویٰ نبوت سے پہلے بھی تمھارے بیچ زندگی کا ایک عرصہ گزار چکا ہوں، جو میری صداقت پر دلیل ہے۔

آپ کہیں گے کہ علما اور مشائخ تو سیرت کے رول ماڈل ہیں تو پھر کس کی تلاش ہے ؟ بالکل علما و مشائخ سیرت کے حوالے سے رول ماڈل ہیں، انھیں تو یہ حق خود رَسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْأَنْبِيَاءِ، مگر اَیسے علما اور مشائخ ہیں کہاں جو اِس منصب کا حق ادا کرتے ہیں، آج اُن کے ظاہر و باطن میں خود ہی بڑا تضاد نظر آتا ہے۔ ان حضرات کی زندگی اور سیرت کے بیچ بعد المشرقین ہے، پھر علما اور مشائخ کے ہاں اِس قدر جزوی اختلاف ہیں اور اُن اختلافات پر اِس قدر شدت کے ساتھ عمل ہے کہ اُمت کے بیشتر افراد اُن کے انھیں جزوی اختلافات کی نذر ہو چکے ہیں۔ عام لوگ جب سیرت طیبہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو علما اور مشائخ کے پاس جاتے ہیں اور یہ حضرات انھیں اپنے معمولات کے اِس قدر پابند بنا دیتے ہیں کہ عوام، سیرت طیبہ کی اصل روح سے ہی محروم ہو جاتی ہے، کیوں کہ ہر شخص فقط اپنے مشائخ کے معمولات کو فروغ دینے کی کوشش کرنے میں لگا رہتا ہے تاکہ اُن کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ جائے اور معاشرے میں وہ معزز کہلائیں۔

۴۔ نظام تعلیم کی کمزوری: موجودہ تعلیمی نظام میں سیرت کو درست طریقے سے شامل نہیں کیا جاتا۔ نصاب میں سیرت کو اَہمیت نہ دینا، یا اُسے سطحی انداز میں پیش کرنا ایک بڑی وجہ ہے کہ نوجوان نسل، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہو پاتی۔

۵۔ مغربی ثقافتوں کا اثر: مغربی ثقافت اور میڈیا کے غلبے نے مسلمانوں کے معاشرتی اور ذہنی دھارے پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ یہ اثرات بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و سیرت سے دوری کی بڑی وجہیں ہیں، زیادہ تر اَفراد مغربی تہذیب و ثقافت کو ترجیح دیتے ہیں، ایسے میں لازم ہے کہ علما روایتی طرزِ بیان کو ترک کرتے ہوئے سیرت کی عصری معنویت و اہمیت کو جدید طرز پر نمایاں کریں تاکہ مغربی تہذیب و ثقافت کے بالمقابل سیرت رسول کا پہلو بہر حال پُرکشش معلوم ہو۔

۶۔ مادّی فوائد کی خواہش: مادّی فوائد اور دُنیوی کامیابی کی خواہش نے بھی بہت سے لوگوں کو رُوحانیت اور سیرت سے دور کر رکھا ہے۔ افراد اکثر اپنی روزمرہ زندگی کے مسائل میں اِتنے مگن اور مشغول ہوتے ہیں کہ وہ روحانی و اخلاقی پہلوؤں کی جانب بہت کم توجہ دے پاتے ہیں۔

۷۔ دین کی بنیادی فہم کا فقدان: بہت سے لوگ دین کی بنیادی تعلیمات اور سیرت کے حوالے سے کم علمی کے شکار ہیں۔ اِس علمی فقدان کی وجہ سے اُن کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی اہمیت کا صحیح ادراک بمشکل ہو پاتا ہے۔

۸۔ آپسی اختلافات: مختلف اسلامی مکاتب فکر کے درمیان اختلافات اور فرقہ واریت نے بھی سیرت کی بنیادی تعلیمات کو نظر اَنداز کرنے میں اہم کردار نبھایا ہے۔ اِس کے نتیجے میں عام انسان ایک متحدہ اور جامع اسلامی تعلیمات سے دور و نفور ہوتا چلا جاتا ہے۔

سیرت رسول سے دوری کے منفی نتائج

۱۔ روحانیت کی کمی: سیرت سے دوری کے باعث افراد کی روحانیت متاثر ہوتی ہے اور چوں کہ سیرت سے دوری کے سبب اخلاقی و روحانی تربیت نہیں ہو پاتی۔ یہ چیز سیرت سے دوری کا سب بڑا خسارہ ہے۔

۲۔ معاشرتی مسائل میں اضافہ: سیرت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے معاشرتی مسائل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ عدل، رحم دلی اور برابری جیسے اصول جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعارف کرائے تھے، اُن پر عمل نہ کرنے کی صورت میں معاشرتی بے چینی اور مسائل بڑھتے ہیں۔

۳۔ اخلاقی بحران: سیرت سے دوری اخلاقی بحران کو بھی جنم دیتی ہے۔ چوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اخلاقی نمونہ فراہم کرتی ہے اِس لیے اُس سے دوری اخلاقی و روحانی پستی کا سبب بنتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ سیرت، مسلمانوں کی زندگی کا بنیادی حصہ ہے اور اُس سے دوری معاشرتی،

اخلاقی اور روحانی مسائل پیدا کرتی ہے۔ تعلیمی نظام کی بہتری، غلط ثقافتی اثرات سے تحفظ اور دین کی بنیادی تعلیمات کے ذریعے ہی اِس دوری کو کم کیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ سیرت کو اپنی زندگی میں شامل کر کے ہم نہ صرف اپنی روحانیت اور اخلاقی اقدار کو مستحکم کر سکتے ہیں بلکہ ایک مضبوط اور متحرک و فعال معاشرہ بھی تشکیل دے سکتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال لاہوری:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

عظمتِ مصطفیٰ مسلمانوں کے دلوں میں پیوست ہے اور ہماری عزت و آبرو مصطفیٰ کے نام سے ہی قائم و دائم ہے۔

❁❁❁

اولیاء کونسل ایک تعارف

اولیا کونسل نارتھ امریکہ شمالی امریکہ کا ایک رجسٹرڈ روحانی وسماجی ادارہ ہے جس کا ہدف صوفیائے کرام کے افکار وتعلیمات کو عام کرنا اور خلق خدا کو جادہ مستقیم کی رہنمائی کرنا تصوف وخانقاہیت کی حقیقی تصویر پیش کرنا ہے۔ انہیں اہداف واغراض کے لیے اس ادارہ کے تحت مختلف سرگرمیاں اور پروگرامز چل رہے ہیں۔ فی الوقت خانقاہ چشتیہ فریدیہ حسینہ سجادیہ اور مسجد بابو ذوالفقار کے قیام کے ساتھ ساتھ ایک سہ ماہی رسالہ، صوفی ٹائمز، اردو اور انگریزی دونوں زبان میں شائع کیا جاتا ہے نیز عرفان واحسان چینل کا بھی آغاز ہو چکا ہے جس پر تفسیر قرآن سیریز، مکالمہ سیریز، پیام سیرت سیریز اور عرفان وتصوف سیریز جیسے وقیع ومفید پروگرامز نشر کیے جاتے ہیں۔ خانقاہ میں مختلف علمی وروحانی مجالس کا وقتاً فوقتاً اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور نامور اسکالر کو مدعو کر کے محاضرہ وخطاب بھی کرایا جاتا ہے۔ آپ اس ادارہ کی کارکردگی کو ضرور دیکھتے رہیں اور اپنا ممکنہ تعاون بھی پیش کرتے رہیں۔ اس میں مالی تعاون پیش کرنے کے لیے venmo@auliyacounci کا استعمال کریں۔

مزید معلومات کے لیے درج ذیل ای میل پر رابطہ کریں

auliyacouncil@gmail.com

AULIYA COUNCIL PUBLICATIONS/IMAM ALI LIBRARY & RESEARCH CENTRE

85 Mt Hope Rd, Mahopac, NY 10541, United States